اِسلام کا فلسفۂ تاریخ

حدیث مجدد دین ملّت کی روشنی میں

از

جناب مرزا محمد یوسف صاحب

(پروفیسر اورینٹیل کالج رام پور)

(۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اسلام کے سیاسی نظام کی ہی اصلاح نہیں کی بلکہ انھوں نے مفکرین کی اس مایوسی کو بھی بدل دیا کہ اسلامی تعلیمات سے مستنبط سیاسی نظم صرف خلافتِ راشدہ تک ہی محدود تھا۔ اس کے برخلاف انھوں نے ثابت کر دیا کہ اسلام کا بنایا ہوا سیاسی نظام ہر زمانے کے لئے قابلِ نفاذ ہے۔ جہالت اور نفسانیت کی تاریکی بھی صبحِ امید کی کرنوں کی تابناکی کو نہیں روک سکتی۔ سیاسی نظم میں عملی طور پر اس کے بعد بھی فساد آتے رہے لیکن علماء اسلام کی سیاسی تفکیر کبھی مایوس نہیں ہوئی۔ اس غیر متوقع سیاسی اصلاح نے علمائے اسلام کے اندر ایک غیر معمولی رجائیت پیدا کر دی اور وہ کبھی بھی اصلاح سے مایوس نہ ہوئے۔ سیاسی نظم کے باب میں اسلام کی تعلیمات ہمیشہ ان کے لئے درخورِ اعتنا اور متمسک بہ رہیں۔ اس طرح قدرت نے اس مقدس فریضہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پورا کرایا اور اسلام کی سیاسی تفکیر کا رُخ غیر اسلامی جہت سے موڑ کر اس کو خالص اسلامی جہت میں منعطف کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ آنے والے علماء کو اسلام کی سیاسی تعلیمات کبھی ناقابلِ نفاذ معلوم نہ ہوئیں۔ حالات بدلتے رہے، صبر آزما موانع پیش آتے رہے

مگر مفکرینِ اسلام نے مملکتی نظم کے لئے غیر اسلامی مآخذ و منابع کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ فقہ اکبر میں مملکتِ اسلامیہ کے سیاسی نظم کے لئے جو کچھ لکھا گیا متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے اس سے انحراف کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ تابعین و تبع تابعین نے مملکتی تنظیم کے باب میں جو ارشاداتِ گرامی فرمائے بعد کے لوگوں نے انھیں چھوڑ کر کوئی نیا مذہب نہیں تراشا آنے والے خلفاء نے عملاً جبر و ظلم کیا تو کیا لیکن اُن کا بیعت نامہ اور خطبۂ خلافت اسی روایتی سیاسی نظم کے ماتحت مرتب ہوتا تھا۔ [دیکھئے ابن جریر خلفاء عباسیہ کا خلافت نامہ]

یہ ہے تحریری کارنامہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا لیکن اس سلسلہ میں تین ملحوظات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ پہلے تو یہ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مجددیت تاریخی جبریت (HISTORICALDETERMINISM) سے بے نیاز تھی سابق یا موجودہ معاشی و معاشرتی عوامل کا نتیجہ نہ تھی بعض لوگوں نے اسے تاریخی عوامل کا نتیجہ سمجھ لیا۔ ان کے نزدیک یہ دواعی جنہوں نے عمر بن عبدالعزیز کو عمر بن عبدالعزیز بنا دیا تین ہیں چنانچہ یہ لوگ کہتے ہیں

”... اس لحاظ سے اُن کا ماحول اس کام سے دور کی مناسبت بھی نہ رکھتا تھا جو بعد میں انھوں نے انجام دیا۔

(ا) لیکن اُن کی ماں حضرت عمرؓ کی پوتی تھیں۔

(ب) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو پچاس ہی برس ہوئے تھے جب وہ پیدا ہوئے اُن کے زمانہ میں صحابہ اور تابعین بکثرت موجود تھے۔

(ج) ابتداء میں انھوں نے حدیث اور فقہ کی پوری تعلیم پائی تھی یہاں تک کہ محدثین کی صفِ اول میں شمار ہوتے تھے اور فقہ میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔۔۔“

مگر (د) خاندان سیرتوں کے بنانے میں ممد و معاون ہو تو ہو ایک راسخ کردار میں قلب ماہیت نہیں کیا کرتا۔ محمد بن ابی بکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی سازش قتل میں شریک تھے حالانکہ حضرت عثمانؓ حضرت ابوبکرؓ ہی کے کہنے سے ایمان لائے تھے۔ پھر خلفاء کی اولاد میں

اور بزرگ بھی تھے اگر نسل اور خاندان کا اصلاحِ سیرت یا تعمیرِ کردار میں کوئی اثر ہوتا ہے تو یہ کلیہ وہاں کیوں صادق نہیں آتا۔

(ب) عہدِ نبوت کا قرب اور صحابہ وتابعین کی صحبت کا اثر اگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے قلبِ ماہیت کے لئے مؤثر ہو سکتا ہے تو یزید نے تاریخی عوامل کا کیا بگاڑا تھا کہ اسے اپنے فیضِ تاثیر سے محروم رکھا۔

(ج) رہی ابتدائی تعلیم اور تبحرِ علمی تو عبدالملک کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ اگر وہ خلیفہ نہ ہوتا تو فقہائے حجاز میں ممتاز ہوتا۔ مگر ہائے تختِ خلافت تیری دل کشی، ادھر قاصد نے نویدِ خلافت سنائی ادھر عبدالملک نے مصحف کو الوداعی سلام کر کے بند کیا اور پھر اس تفقہ فی الدین کے باوجود کیسا جبار ثابت ہوا کہ حجاج اس کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے، یہ ہے تاریخی عوامل کی حیثیت اور اُن کی تاثیر کی حقیقت۔

انشار پردازی دوسری چیز ہے اور ایک معقول منطقی فکر شئ دیگر، یہ ان لوگوں کے ناپختہ افکار اور مغربیت زدہ حضرات کی تقلید میں سائنٹفک انداز پر علل ومعلولات کے تاریخی جبر کی غیر شعوری پرستش کا نتیجہ ہے جو وہ اس تاریخی انخراق سے ناواقف رہے۔ حالانکہ اصل شئے وہی ہے جو انھوں نے اس سے قبل بیان فرمائی کہ "اُن کا ماحول اُس کام سے دور کی مناسبت بھی نہ رکھتا تھا جو بعد میں انھوں نے انجام دیا" اس تاریخی انخراق کی کوئی مادی وتاریخی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ عبدالملک بن سکتے تھے، ولید بن سکتے تھے، ہشام بن سکتے تھے لیکن تاریخ کا مؤکد فیصلہ ہے کہ وہ مجدد مائۃ اولیٰ نہیں بن سکتے تھے لیکن وہ بنے تو کیوں؟ یہ صرف اس لئے کہ اُس حقیقتِ حقہ کو متحقق ہونا تھا جسے کم وبیش نوے سال پیشتر اللہ کے سچے رسول نے زبانِ وحی ترجمان سے فرمایا تھا کہ "ان اللہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" اسلام کے فلسفۂ تاریخ کا ترتیب جو اس مبارک مقولہ پر مقدر ہو چکا تھا، پورا ہوا اور آئندہ بھی پورا ہوگا۔

دوسری چیز جس کا لحاظ رہے وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے تجدیدی کارنامہ کی کامیابیت ہے اُن کی زندگی بہت کم رہی باایں ہمہ قدرت کو جو منظور تھا وہ انھوں نے پورا کر دیا، بعض لوگوں کی کوتاہ بینی ہے جو وہ یہ ریمارک لکھتے ہیں کہ

"... جس کارِ تجدید کو انہوں نے شروع کیا تھا اب اُس کی تکمیل میں صرف اتنی کسر باقی رہ گئی تھی ..... آسان کام نہ تھا کہ ڈھائی برس کے اندر انجام پا سکتا" ان لوگوں کی نظر محسوسات ہی تک محدود ہے۔ وہ کارنامہ کی تحقیق نتائج سے کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر یہ اصول صحیح ہو تو خلافتِ راشدہ کے کارنامہ کو بلکہ نعوذ باللہ منہ نبوت کے کارنامہ کو کیا کہا جائے گا۔ شارع علیہ السلام نے تو اصلاحِ معاشرہ میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی مگر اُن کے وصال کے بعد ہی فارق المرکز قوتوں نے اسلام کو گھیر لیا۔ خلافتِ راشدہ تو علیٰ منہاج النبوۃ تھی آخر "جاہلیت کو اُس میں در آنے کا کیوں موقعہ ملا" (جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں) اگر بالفرض حضرت عمر بن عبدالعزیز ان لوگوں کی مرغوب جمہوریت کو بھی نافذ کر جاتے تو کیا ضمانت ہے کہ وہ استمراری و دائمی رہتی اور صلاح کے بعد فساد اور خیر کے بعد شر کو سر اُٹھانے کا موقعہ نہ ملتا۔ یہ تو فکر و نظر کی خیرگی اور بصارت و بصیرت کی کوتاہ بینی و کوتاہ اندیشی ہے کہ وہ صرف ظواہر محسوسات میں پھنس کر رہ گئی ہے۔ امر واقعی یہ ہے کہ اُن کا کارنامہ ختم ہو چکا قدرت کو اُن سے جو کرانا منظور تھا وہ کرا دیا اُس کے بعد نہ اُنھیں کچھ کرنا تھا اور نہ اُن کی ضرورت تھی۔

(۱) ملوکیت پرستی کے ساتھ ساتھ تجہمؒ، قدر اور ارجاء کے غیر اسلامی الاصل عقائد سے فکر میں بھی فساد پیدا ہو رہا تھا مگر یہ فساد ابھی فتنۂ خوابیدہ ہی کی حیثیت رکھتا تھا اس لئے سر دست اس کی اصلاح ایسی ضروری نہ تھی۔ زیادہ خطرناک تھی ملوکیت پرستی اور اس کی اصلاح قدرت نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ذریعہ کرائی اور وہ بجا طور پہلی صدی کے مجدد ہیں۔

لیکن دوسری صدی میں بدعات کا زور بڑھنا شروع ہوا۔ اموی حکومت کے اندر داخلی انتشار پیدا ہو رہا تھا اور مشرقی ممالک میں اس کی گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی تھی ایک

ہمہ گیر وسیع تحریک خاندانی انقلاب کے لئے (امویوں کے بجائے ہاشمیوں بالخصوص عباسیوں میں خلافت منتقل کرنے کے لئے) مصروفِ عمل تھی اس کی جلو میں الحاد و زندقہ بھی بڑی سرعت سے شیوع پذیر ہونے لگا۔ ۱۳۲ھ میں انقلاب آیا۔ منصب خلافت امویوں سے عباسیوں میں منتقل ہوا اور چوں کہ عباسی ایرانیوں کی مدد سے برسرِ اقتدار آئے تھے لہٰذا دربارِ خلافت نے اُن کے متعلق زیادہ نرم پالیسی اختیار کی۔ بے لگام آزادیٔ فکر کی عام اجازت ہوگئی اس لئے الحاد اور زندقہ بڑی تیزی سے پھیلنے لگا اور اسلامی سماج میں اس نام نہاد حریتِ فکر نے بدعت و ہوا پرستی کی خطرناک شکل اختیار کر لی۔ قرآن تو ذو معنی ہے ہر الحاد پسند اپنی خواہشِ نفس کے مطابق اس میں سے دلائل ڈھونڈھ سکتا ہے لیکن سنت اِن تمام اجمالات کی توضیح کرنے والی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ بدعت و ہوا نے حدیث سے اعراض ہی نہیں بلکہ استخفاف برتنا شروع کر دیا یہ صورتِ حال انتہائی خطرناک تھی اور اندیشہ تھا کہ اگر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو دین ہی مٹ جائے گا۔ طبائع میں روشن خیالی اور آزاد خیالی بڑھتی جا رہی تھی یونان کا فلسفہ، نو فلاطونیوں کا اشراق، اور دیگر فرقوں کی عرفانیات عربی زبان میں منتقل کی گئیں اور اپنی ظاہری دل کشی اور آزادانہ تحقیق کے دعووں کی بنا پر عام دنیا پرست عقبیٰ فراموش طبیعتوں میں مقبول ہونے لگیں۔ اس کے برعکس حدیث کی تعلیم پس منظر میں پڑتی جا رہی تھی۔ طلبائے حدیث "حشویہ" کے نام سے موسوم ہونے لگے۔

لیکن پھر قدرت نے اپنا کرشمہ دکھایا۔ امام شافعیؒ جو انھیں علومِ مروجہ کے درپے تحصیل تھے اور جو وقت کے سب سے بڑے متکلم ابو الہذیل العلاف کی صحبت میں مستقلاً مروجہ علم کلام کی تحصیل میں زندگی کا بہت بڑا حصہ اور اس علم میں ممارست تامہ حاصل کر چکے تھے قدرت کے حکم سے اس صورتِ حال کے ازالہ کے لئے مامور ہوئے۔ تاریخی جبریت (DETERMINISMHISTORICAL) نے پھر دوبارہ منہ کی کھائی۔ اور وہی شخص جو سنت کو چھوڑ کر بدعت کی تلاش میں سرگرداں تھا، جو حدیث کے بجائے علم کلام کی تحصیل کو

زندگی کا سب سے بڑا مقصد سمجھتا تھا وہی شخص سنت کے احیار پر منجانب اللہ مامور ہوا۔ اس سے پہلے بھی اکابر محدثین حدیث کی نشر و اشاعت کے لئے اپنے اپنے مقدور بھر کوشش کر رہے تھے لیکن طغرائے امتیاز امام شافعیؒ کے نصیب میں مقدر ہو چکا تھا اور قدرت نے اس بڑے کام کو اُن کے ہاتھوں انجام تک پہنچوایا۔ غیر اسلامی افکار کے بجائے خالص اسلامی تعلیمات کو آخری سند بنانے کا انقلاب اُنھیں کے مبارک ہاتھوں پورا ہوا، اعتصام بالسنۃ اور عمل بالحدیث کے لئے اسلامی فکر میں اصولاً انقلاب پیدا ہوا اور ملی فکر کے دھارے کا رُخ غیر اسلامی جہت سے ہٹ کر خالص اسلامی جہت میں مُڑ گیا۔ نظامِ حیات کی تنظیم و تدوین کے لئے ہدایتِ نبوی کے اہم اصول کو تسلیم کر لیا گیا اور یہی اصول بعد میں ہمیشہ فکرِ اسلامی کے لئے نجم ہدایت بنا رہا۔

امام شافعیؒ کا سنہ وفات ۲۰۴ ہجری ہے اور وہ بجا طور پر دوسری صدی کے مجدد کہلاتے ہیں۔ لیکن ان کی زندگی میں سب سے زیادہ عجیب بات یہی ہے کہ تاریخی عوامل اُنھیں جو بنانا چاہتے تھے وہ نہ بنے اور وہ بنے جس کے بننے کا کوئی امکان ہی نہ تھا۔ وہ ایک غیر معمولی متکلم بن سکتے تھے وہ خود ابوالہذیل بن سکتے تھے لیکن اگر نہیں بن سکتے تھے تو محدث اور پھر محدث بھی کیسے کہ جس نے اسلامی فکر میں ایک دائمی اور اصولی انقلاب برپا کر دیا بایں ہمہ وہ سرآور محدثینِ دہر بنے۔ تاریخ اس انخراق کی توجیہہ سے قاصر ہے اور پھر مجبوراً اس انخراق کو بھی اُسی پیشینگوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحقق سے تعبیر کیا جائے گا کہ

"اِنَّ اللہ عزّوجل یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا"

اسلام کے فلسفۂ تاریخ کا ترتب اس فرمانِ واجب الاذعان پر مقدر ہو چکا تھا جو پورا ہوا اور آئندہ بھی پورا ہوگا۔

۲۔ دوسری صدی کے اسلامی سماج کی خصوصیت الحاد و زندقہ کی اشاعت اور تفلسف کی مقبولیت تھی۔ جب فلسفہ پھیلنے لگا اور مذہبی آزادی کے نام سے کینہ پرور مخالفین نے اسلام پر بے جا اعتراضات کی بوچھار کرنی شروع کی تو کچھ تو فطرتاً اور کچھ دربارِ خلافت

کی ہمت افزائی سے اس بڑھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک نیا فرقہ سماج میں پیدا ہوا یہ معتزلہ تھے جو یوں تو بہت عرصے سے آزادانہ علمی تحقیق کے مدعی تھے اور جنہیں جہم بن صفوان کے تجہم، معبد و غیلان دمشقی کی قدریت، خوارج کے تشدد و تکفیر اور صدر اسلام کے دورِ فتن کی غلط تحقیق نے مل کر ایک عجیب شکل اختیار کر لی تھی جس کا نام اعتزال تھا لیکن تیسری صدی میں اُن کا فتنہ بہت خطرناک ہو گیا تھا۔ مہدی اور ہادی نے ملاحدہ زنادقہ کے فتنہ کے سدِ باب کے لئے معتزلہ کی ہمت افزائی کی اور وہ دربارِ خلافت پر چھا گئے، اساطین معتزلہ کا ظہور و نبوغ بھی دوسری صدی میں ہوا۔ لیکن عام اسلامی سماج ابھی اس وبار سے متاثر نہیں ہوا تھا۔ اعتزال ابھی اسلامی سماج کی سطح ہی پر حملہ کر رہا تھا بنابریں دوسری صدی میں اس کا خطرہ زیادہ نہ تھا اس لئے اس کے تدارک کی بھی زیادہ فکر نہ تھی۔ لیکن تیسری صدی میں اس وبار نے عالمگیر شکل اختیار کر لی۔ اُن کے ورغلانے سے مامون نے فتنۂ خلق قرآن کی ہمت افزائی کی اور اس کے جانشینوں معتصم اور واثق کے عہدِ حکومت میں یہ فتنہ اسلام کا سب سے بڑا فتنہ بن گیا۔ سینکڑوں علمائے وقت کو اس کے انکار کی بنا پر قید و محن کے مصائب برداشت کرنا پڑے جن میں امام احمد بن حنبل کا نام گلِ سرسبد ہے۔ اس طرح معتزلہ کا اثر و رسوخ پورے قلمرو خلافتِ اسلامیہ پر چھا گیا۔ ۲۳۲ھ میں واثق نے وفات پائی اور متوکل اس کا جانشین ہوا۔ متوکل کو ان موشگافیوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سیاسی مصالح کے پیشِ نظر اپنے پیشروؤں کی پالیسی کے خلاف پالیسی اختیار کرنا اس نے اپنی پالیسی بنایا اس طرح دربارِ خلافت میں معتزلہ کا اثر تو نہیں رہا مگر اب ان کا اثر و رسوخ اتنا بڑھ چکا تھا کہ وہ درباری مقبولیت سے بے نیاز تھے اسلامی سماج کی عروقِ حیات تک اس زہر سے مسموم ہونے لگی تھیں اور اسلامی فکر جو اسلامی نظامِ حیات کی اصل ہے اس سے ماؤف ہونے لگی تھی اس درجہ کہ متوکل باللہ کی احیاء سنت اور استیصالِ بدعت کی سرکاری پالیسی بھی اس کا تدارک نہ کر سکی۔ معتزلہ کا زور اتنا بڑھ چکا تھا کہ وہ دربارِ خلافت کی سرپرستی سے محروم ہو کر بھی اپنے مساعیِ نامشکور کو جاری رکھ سکتے

تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلامی فکر پر اعتزال چھا گیا ہے۔ مفکرین اہلِ سنت بھی تھے مگر وہ گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے۔ اس وقت کا اہم تقاضا اس عالمگیر آفت کا تدارک تھا اور قدرت نے اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کیا جو اعتزال کا سرگرم مبلغ اور سنت کا کھلم کھلا دشمن تھا۔

یہ عجیب انسان "امام ابوالحسن اشعری" تھا جس نے اعتزال کے گہوارے میں چالیس سال تک پرورش پائی تھی۔ امام اشعری ابو علی الجبائی کے شاگرد تھے۔ ان کی زندگی اعتزال کی تبلیغ و اشاعت اور تائید و تشدید میں بسر ہوئی تھی اور متعدد کتابیں اسی بدعت کی حمایت میں لکھی تھیں وہ اگر اسی کیمپ میں رہتے تو ابو علی الجبائی سے بڑھ کر ہوتے اور اپنی قوتِ کلام اور تشحیذِ ذہنی کی بنا پر ابو الہذیل العلاف کے درجہ تک پہنچ سکتے تھے لیکن تیسری صدی کے سرے پر ۲۹۶ھ میں اُن کی زندگی میں اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی سماج میں انقلابِ عظیم برپا ہوا وہ محض ہدایتِ خداوندی و مشیتِ ایزدی سے اعتزال سے تائب ہوئے اور طریقِ سنت کی نصر و حمایت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا اور اس طرح اسلامی فکر میں انقلابِ عظیم کا باعث ہوئے۔ تیسری صدی میں خالص اسلامی فکر کو جس کے علمبردار محدثین تھے عموماً حشویت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اُس کے علمبردار چند ہی تھے لیکن جب امام ابوالحسن الاشعریؒ کے مبارک ہاتھوں سے ملت کی تجدید ہوئی تو فکرِ اسلامی کے دھارے کا رخ ہی بدل گیا اور چوتھی صدی میں چہار جانب سنت ہی کا چرچا ہونے لگا۔ چنانچہ اُن اکابر مفکرین (متکلمین اشاعرہ) کی تعداد جو چوتھی صدی میں پیدا ہوئے سینکڑوں ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ اُن میں سے بعض کے نام حافظ ابن عساکر دمشقی المتوفی ۵۷۱ھ نے تبیین کذب المفتری میں صفحہ ۱۷۷ سے صفحہ ۳۳۰ تک بیان کئے ہیں اور پھر بھی انھیں عدمِ استقصار کا شکوہ ہے چنانچہ کہتے ہیں :-

ولولا خوفي من الاملال للانامها — اگر مجھے خوف نہ ہوتا کہ زیادہ گوئی سے قارئین اُکتا
وایثار الاقتصار لھذا الکتاب — جائیں گے اور اگر میں اس کتاب میں اختصار کو ملحوظ

لتتبعت ذکر جمیع الاصحاب ...... ولکننی اکون بعد بذل الجہد مقصرا ومن تقصیری باخلال بذکر کثیر منہم معتذرا ـ فکما لا یمکننی احصاء نجوم السماء کذلک لا یمکننی استقصاء جمیع العلماء"

نہ رکھتا تو سب بزرگوں کے ذکر کا تتبع کرتا..... اور پھر بھی باایں ہمہ سعی و کوشش کوتاہ بیانی کا معترف رہتا اور بہت سوں کا ذکر نہ کر سکنے کے لئے معذرت خواہ ہوتا جس طرح میرے لئے آسمان کے تاروں کا شمار کرنا ناممکن ہے اسی طرح میں تمام علماء کے ذکر کے استقصاء سے بھی قاصر ہوں۔

اس سے اندازہ ہوگا کہ امام اشعری نے اسلامی فکر میں کیا انقلاب عظیم پیدا کیا اور کس طرح تجدید ملت کے مقدس فریضہ کو ادا کیا۔ اُن کی دینی خدمات، طریقِ سنت کی نصرت و حمایت اور وہ مستقل اور دیرپا اثر جو انھوں نے اسلامی فکر پر چھوڑا اور جو آج بھی باوصف مرورِ دہور، وانقضاءِ سنین و شہور، اسلامی فکر کا طغرائے امتیاز اور سوادِ اعظم کے لئے مشعلِ راہِ ہدایت ہے بجا طور پر انھیں مائۃ ثالثہ کا مجدد قرار دیتے ہیں لیکن قرونِ ماضیہ کی طرح تاریخی جبریت کو پھر ایک مرتبہ منہ کی کھانی پڑی۔ تاریخ اس انقلاب ماہیت اور اس محیر العقول کایا پلٹ کی توجیہ سے قاصر ہے۔ ایک شخص جس نے اعتزال کے گہوارے میں پرورش پائی، جس نے اعتزال کی تائید و تشیید کے لئے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی، ادعائی عقلیت (DOGMATIC RATIONALISM) جس کا مُسلمہ منہاج فکر تھا اور اعتزال و تفلسف جس کا سرمایۂ حیات تھا۔ یکایک وہ اس ظلمتکدۂ جہل و سفاہت سے از خود بغیر کسی خارجی اثر کے نکل کر علم و دیانت میں داخل ہوتا ہے آخر ایسا کیوں؟ خارجی اثرات اور ماحول کے عوامل و دواعی اس کی توجیہہ سے عاجز ہیں۔

(باقی)